ڈاکٹر نگہت ناہید ظفر
استاد شعبہ اردو،
گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ، اسلامیہ کالج کوپر روڈ، لاہور

سروں کا شاعر مختار صدیقی

Dr. Nighat Nahid Zafar
Urdu Department,
Government Post Graduate Islamia College, Lahore

Mukhtar Siddiqui: A Poet of Tunes

Mukhtar Sidiqui is one of the most unique personalities to be found in the sphere of Urdu Poetry. Perhaps the greatest factor which allows him to be that was his technique of morphing his love for Classical Music 'Raags' with his writings. The result of this was poetry which remains timeless in its structure and content - exactly what his concoction wanted to achieve.

فنون لطیفہ کے تمام شعبے انسان کی جمالیاتی حس کی تسکین کرتے ہیں۔مصوری سنگ تراشی، رقص اور شاعری جیسے تمام فنون انسان کی تخلیقی صلاحیتوں کا اظہار ہوتے ہیں۔مگر ایک ایسا فن جس میں تمام فنون لطیفہ کے شعبے باہم مل جاتے ہیں وہ موسیقی ہے۔موسیقی کو سننے کے لئے اور سمجھنے کے لئے ایک خاص ذوق اور تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔موسیقی کی سب سے پہلی اکائی سُر ہیں۔سُر کی ترتیب سے ہی راگ پیدا ہوتے ہیں۔راگ کا تعلق انسانی نفسیات سے بہت گہرا ہے۔جالینوس اور اطباء قدیم نے مختلف نغموں سے مختلف امراض کا علاج کیا اور جدید دور میں تجربات سے یہ بات سامنے آ چکی ہے کہ بہت سی بیماریوں کا علاج راگوں سے کیا جا سکتا ہے۔خاص طور پر انسانی نفسیاتی بیماریوں کا علاج۔

شاید احمد دہلوی اپنے مضمون ''ہماری کلاسیکل موسیقی'' میں لکھتے ہیں:

> ''راگوں کے کچھ سُر اس ترکیب و ترتیب سے رکھے جاتے ہیں کہ ان سے سننے والوں میں غم واندو، مسرت و بہجت، خوف و ہراس، مہجوری و دوری وغیرہ کے اثرات پیدا کیے جاتے ہیں۔موسیقی کا جادو تو جانوروں پر بھی چل جاتا ہے۔نغمہ ہدی سن کر اونٹوں کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔طبل جنگ کی گرج پر گھوڑے کنوتیاں دبا کر دشمن کی صفوں میں گھس جاتے ہیں۔سپیرے کی بین پر زہریلا ناگ جھومنے لگتا ہے انسان تو اشرف المخلوقات ہے، بھلا موسیقی سے کیسے متاثر نہیں ہوگا۔''(۱)

فنون لطیفہ میں شاعری اور موسیقی کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے کیونکہ الفاظ جب شاعری کے پیکر میں ڈھلتے ہیں تو اپنے سُر اور لے کے توازن کے ساتھ مختار صدیقی اردو کا وہ شاعر ہے جس کی شاعری سُروں کے ساتھ تخلیق ہوتی ہے اور مختار موضوعات کو سروں کی ترکیب میں ڈھال کر نئے سے نئے روپ میں پیش کرتے ہیں۔

غفور شاہ لکھتے ہیں:

''مختار کے ہاں تہذیبی اقدار کا احترام خارجی اشیاء کے حوالے سے شدت اختیار کر جاتا ہے۔ان کی موسیقی سے لگاؤ اور دلچسپی نے نظموں میں حسن اور تجریدی خصوصیت پیدا کی ہے۔موسیقی اور تہذیب کے حوالے سے ان کی نظمیں کلاسیکی آہنگ اور ہمارے تہذیبی ماضی کی عکاس ہیں۔(۲)

انسان کا موسیقی سے تعلق تہذیب کے ہر دور میں رہا ہے۔سمریا، مصر، چین کی تہذیبوں میں موسیقی سے وابستگی موجود ہے۔ اسی طرح ہندوستان میں موسیقی کا مذہب اور مابعد الطبیعات سے گہرا تعلق رہا ہے۔ہندوازم کے ہاں موسیقی عبادت ہے اور معرفت کا اہم ذریعہ۔اسی طرح اسلام نے بھی موسیقی کو مابعد الطبیعاتی تناظر میں دیکھا۔تصوف میں خیال اور سماع ہمیشہ سے موجود رہے۔

موسیقی کی زبان جذبات شاعری اور کہی ان کہی باتوں سے آگے جانے والے خیالوں اور زمانوں کی زبان ہے۔موسیقی نازک احساس کی رنجوریوں، البیلے ارمانوں، سانجھ سویرے کی دعاؤں کو سُر کی زبان عطا کرتی ہے۔موسیقی غمگین دلوں، لاکھوں موسمی فتنوں، رعنا اور سرمست دوشیزاؤں کی کتھا بھی کہتی ہے۔اسی سُر سے لگاؤ کے بارے میں مختار صدیقی کہتے ہیں:

''وقتی اور جمالیاتی حظ کی وہ منزلیں آئیں جن میں ہر منزل کی نرنگیاں اور رعنائیاں ہر آن بدلتی رہتی تھیں۔اور یہ سدا بہار رعنائیاں جب تاثرات اور محسوسات کی بوقلمونی میں آمیز ہوتی تھیں تو اپنے لئے اظہار کا راستہ ڈھونڈتی تھیں۔گویا صوت کا زیر و بم (موسیقی) کا یہ تقاضا میرے لئے ہر وقت موجود تھا کہ میں اسے لفظوں کی نقش گری (شعر) میں کسی طرح اجاگر کروں۔''(۳)

موسیقی میں راگ مزاجی کیفیت کے حامل ہوتے ہیں۔صدیوں میں جا کر راگوں کے اصول وقواعد بنتے ہیں اور یہ اتنے مکمل ہوتے ہیں کہ ان سے ذرا سا انحراف نہیں کیا جا سکتا۔ہر راگ کے سُر مقرر ہیں اور ان کی ادائیگی کا ایک خاص ڈھنگ ہے۔جب تک مقررہ اصولوں کی پوری پوری پابندی نہ کی جائے تو راگ کا روپ قائم نہیں ہو سکتا۔راگ راگنیوں کیلئے وقت بھی مقرر کئے گئے ہیں کیونکہ انسانی مزاج ایک سا نہیں رہتا۔راگ کا رس اس وقت بنتا ہے جب سُر اور تان کا علم آمیز ہو۔''منزل شب'' میں مختار صدیقی نے بھی راگ کی ساری فضا کو لفظوں میں ڈھالا ہے۔وہ لکھتے ہیں۔

''ان لفظوں کی اصل یہ قرار پائی کہ پہلے میرے شعور نے کسی راگ کے فنی تقاضوں کو سمجھا، بولوں نے اس کی فضا اور اس کے بنیادی تاثر کو مجھ پر واضح کیا۔اس سے جو کیفیت میرے دل و دماغ پر چھائی۔اس کی کہانی میں نے بیان کی یہ وہ فضا، وہی تاثر اور وہی کہانی ہے جو اس راگ کی کہانی تھی''۔(۴)

مختار صدیقی نے اپنی نظموں میں ایمن کلیان، خیال درباری، خیال چھایا، کیدارا جیسے راگوں کی داخلی اور خارجی منظوم شکلوں کا احاطہ کیا۔

ایمن کلیان میں شام کے دھندلکوں میں محبوب کے ہجر و وصال کے کوائف بیان کئے جاتے ہیں۔اس کی بلمپت میں انتظار اور درت میں محبوب کی آمد کے وقت جذبات واحساسات بیان کیے جاتے ہیں۔مختار صدیقی نے اس راگ کے رس کو بیان کرنے کے لئے خوبصورت تراکیب کا سہارا کیا، سرمی دھول بیکراں سائے، بے پایاں رقص بے تاب جیسی ترکیبوں سے بلمپت کو سجایا ہے۔

اف یہ بے پایاں سیاہی کی تہوں کی ترتیب
کشت مغرب کے کھلے پھول نہ یوں کھلائیں
کوئی تارا بھی نہیں، چاند نہیں ، وہ بھی نہیں
ان اندھیروں سے کہوں ، اب تو سجن گھر آجائیں
غم کی ماری کو نہ یوں ترسائیں
اب تو سجن گھر ائیں (۵)

راگ درباری، جو درباروں اور شہنشاؤں کی عظمت کا راگ ہے۔مختار صدیقی نے تین سو سال قبل وجود میں آنے والے راگ کو مغل تہذیب تمدن، فن تعمیر اور فن جمالیات کے تناظر میں دیکھا۔

فتح پور سیکری کے محل ساونت مغل کا پرتو نظر آئے۔ستونوں کی نفاست سے سنگینی کا احساس بھی نمایاں ہے۔اونچی محرابوں کے گھیرے میں کشادہ ایوان رکھنے والے یہ محلات بے باک ارادوں سے بلندی چھین لیتے تھے۔راگ درباری میں انہوں نے اکبر اعظم کے اس محل کا تذکرہ کیا ہے جس کی چھتیں سونے چاندی سے مزین تھیں۔ ہر طرف جھاڑ اور شمعیں روشن تھیں۔اہل دربار خبردار نگاہیں نیچی، ہیبت ناک صداؤں کے جلو میں اکبر اعظم کی آمد ہوتی ہے اور ساتھ ہی راگ درباری کی استھائی چھیڑ دی جاتی ہے۔

ترکماں حجرت اکبر ایو!
اپ بلی، تب بلی ، دنیا میں خدا کا سایہ
جن کا دم بھرتا ہے انسان ، ملک ، چوپایہ
ان کے ہم آپ نہ بل بل جیئے ؟(۶)

انترے میں آل تیمور کی فتوحات اور حکومت کے پھیلاؤ کا ذکر ہے۔اسی طرح راگ درباری کے پھیلاؤ میں شب کی دلہن کے لیجانے اور شرمانے کا ذکر ہے۔اکبر اعظم کی شان وشوکت کا بیان قابل دید ہے۔راگ درباری کے اس شکوہ کے بیان کے بعد نظم کا خاتمہ یاس انگیز ہے کیونکہ اب مغل عروج ختم ہو چکا ہے۔

محلات ویران ہیں اوران کی ویرانی عہد رفتہ کی کہانی سنا رہی ہے۔ یوں ہندوستان میں مسلم تہذیب کے زوال کا ایک نوحہ رقم ہوا اور شاعر کہتا ہے۔

بیکراں رات سے محراب کی رفعت دُونی
اور میں سایہ محراب میں ہوں افتادہ
خشک خندق سے ادھر کوہ گراں دیواریں
اب کہاں جاؤں کہ رہبر نہ نشان جادہ
کس خرابے میں مجھے چھوڑ گئی درباری ؟(۷)

''ایمن کا ایک اور روپ'' میں مختار صدیقی نے راگ کی فضا بندی شام کے مناظر کے حوالے سے کی ہے۔ جب شام کی جلتی نیا بجھنے کو ہو۔ دھند لکے پھیل رہے ہوں، دن کے ہنگامے ختم ہو چکے ہیں، دریا میں نہ کوئی کشتی رواں ہے، نہ کوئی بجرا، اس فضا میں راگ ایمن میں یہ بول سنائی دیتے ہیں۔

نیا باندھو رے کنار دریا!
باندھو کنا ردریا! (۸)

انترے میں محبوب کے حوالے سے کچھ تمناؤں کا اظہار ہے۔ پھیلاؤ میں عاشق کی آمد کا تذکرہ کرتے ہوئے سکھوں سے فرمائشیں کی گئی کہ وہ گہنے لائیں، موتیوں سے اسے سجائیں، صندل سے مانگ بھر کر گجرے پہنائیں، دن اور رات کے ملاپ سے ایمن کی شکل ابھاری گئی ہے۔

کلاسیکی موسیقی میں سب سے اہم ''خیال'' ہے۔ اس کو پیش کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے الاپ ہوتا ہے جو اس راگ کے مخصوص سُر واضح کرتا ہے۔ پھر ''استھائی'' جس میں خوبصورت بول لگائے جاتے ہیں۔ اس راگ کا آغاز ڈرامائی طریقے سے ہوتا ہے۔ ''خیال چھایا'' میں مختار صدیقی چاندنی رات کے اداس ماحول کی عکاسی کرتے ہوئے بناتے ہیں کہ نرم جھونکے بے سبب آہوں کا باعث بن رہے ہیں۔ چاندنی کسی سنجوگ کی یاد میں بروگن بن چکی ہے، برہا کی آگ جذبوں کو سلگا رہی ہے۔ خالی سیج کی کلیوں کا رنگ اور تنہائی کا دکھ جاں لینے کے درپے ہے۔ پھر ساتھ اندیشوں کے غول

بھٹکتی ہے رات سناٹوں کے گہرے سوز میں
میں ہوں مہتابی کا سونا پن ہے، اندیشوں کا غول
کیسی تنہائی جس کی تنہائی دل سوز میں
جی کی بے چینی سے نادم ہے جیئے جانے کی بھول(۹)

یہ راگ وسوسوں اور اندیشوں کی آنچ لئے ہوئے ہے۔ ''درت کے مکھڑے'' اور شانت رس کے حصوں میں اضطراری کیفیت میں محبوب کی آمد کی تمنا کی گئی ہے۔

مختار صدیقی نے اپنی شاعری میں کلاسیکی موسیقی سے اپنے لگاؤ کی بڑی منفرد مثالیں پیش کیں ہیں۔مختار کا عہد ہمارے عہد سے بہتر تھا کہ ابھی اس موسیقی سے شغف رکھنے والے اہل ادب بھی موجود تھے اور موسیقار گھرانوں کی تربیت گاہیں بھی موجود تھیں۔یہی وجہ ہے کہ مختار صدیقی کے علاوہ فراق گورکھپوری، رفیق خاور، جمیل الدین عالی، جعفر طاہر جیسے شعراء نے بھی راگوں کو موضوع سخن بنایا اور راگ کے رس کو پیش کیا، مگر مختار کی شاعری کا کمال ہے کہ انہوں نے ان راگوں میں جو الفاظ اور جو موضوعات بیان کیے انہوں نے ان راگوں کی معنویت کو پوری طرح گرفت میں لیا۔

عنایت الٰہی ملک لکھتے ہیں

> ''میرے نزدیک جدید شعرا میں مختار صدیقی ہی ایک ایسا شاعر ہے جس نے موسیقی کے فنی تقاضوں کو سمجھتے ہوئے انہیں پوری طرح نبھایا ہے اور راگ مالا کی روایت کو جس میں راگوں کی تہذیبی تصاویر ہوا کرتی تھیں۔آگے بڑھایا ہے، ان کی یہ نظمیں بعض راگ راگنیوں کے بنیادی تاثرات کو سمجھنے میں بڑی مدد دیتی ہیں'' (۱۰)

مختار صدیقی نے اپنی شاعری میں ان راگوں کو پیش کر کے ہمیشہ کے لئے امر کر دیا ہے۔ان کی نظم کیدارا کا ایک روپ'' ہے کیدارا چاندنی رات کا راگ ہے جس میں بنیادی جذبہ شکوہ و شکایت ہے۔پیش کش میں حسن ترکیب کا خاص خیال رکھا جاتا ہے، راگ کا وقت وہ ہوتا ہے جب چاندنی عروج پر ہوتی ہے۔جھیل، سبزہ، پیڑ بے خود ہوتے ہیں۔رات کی رانی کی خوشبو چاروں طرف پھیلی ہوتی ہے۔محبوب کے بغیر دن اجڑے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور راتیں وبال بن جاتی ہیں۔خود کلامیاں اور مجبوریوں کا احساس نمایاں ہوتا ہے۔محبوب کا گریزاں ہونے کا خوف بھی جنم لیتا ہے۔مختار صدیقی نے اس راگ میں نامکمل ارمانوں، گنگ شکوؤں، محروم وصال جذبات کی تصویر پیش کی جاتی ہے۔چاندنی رات میں جب ہر شے چمک اٹھتی ہے۔درختوں کی شاخوں اور پتوں سے چاندنی چھنتی نظر آتی ہے اور پھر استھائی میں دیکھے کس طرح فریاد ابھرتی ہے اور پھر پھیلاؤ میں محرومی کچھ اور بڑھ جاتی ہے۔

ہم اس عالم میں محرومی کی راہیں تکتے تکتے مر چلے
منتظر کون ، جاناں، تم جو بن ٹھن کر چلے
جاناں، تم جو بن ٹھن کر چلے (۱۱)

مختار صدیقی نے راگوں کے مزاج اور ان کے تاثرات کو شعری نفاست کی پوشاک عطا کی ہے۔یوں لگتا ہے کہ ان راگوں کی دھنیں ان کیمن میں سمائی ہوئی ہیں۔انہوں نے امیر خسرو اور تان سین کے اس ورثے کو شاعری میں یوں برتا ہے کہ ان کی نظموں میں راگ کے فنی تقاضے، بولوں کی فضا، سر اور تال سب واضح ہو گئے ہیں اور انہوں نے وہی فضا وہی تاثر اور وہی سُر بیان کیا جو اس راگ کی کہانی تھی۔

حواشی

(۱) نقوش، شمارہ ۱۰۴، لاہور، ادارہ فروغ اردو، جنوری ۱۹۶۶ء، ص ۲۸۱

(۲) عفور شاہ پروفیسر، پاکستانی ادب ۱۹۴۷ سے تا حال، لاہور، بک سٹاک ۱۹۹۵ء، ص ۴۰

(۳) مختار صدیقی، منزل شب لاہور، سویرا آرٹ پریس ۱۹۵۵ء، ص ۳

(۴) ایضا ، ص ۱۴

(۵) ایضا ، ص ۱۷

(۶) ایضا ، ص ۴۷

(۷) ایضا ص ۶۷

(۸) ایضا ص ۸۷

(۹) ایضا ص ۸۱

(۱۰) نیا دور کراچی شمارہ۔۱۸۔۱۷ کراچی، ص ۴۷

(۱۱) مختار صدیقی، منزل شب، ص ۸۶